مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ..... چند یادیں

مولانا محمد شفیع چترالی

جمعے کی شام اسلام آباد ایئرپورٹ کے قریب نجی طیارے کے گر کر تباہ ہونے کا سانحہ شاید بہت سے لوگوں کے لیے معمول کا ایک حادثہ ہی ہو جس پر وقتی طور پر اظہار افسوس کر لیا جائے گا اور دو چار روز گزر جانے کے بعد میڈیا کی جانب سے اٹھائے جانے والے کسی نئے طوفان کی لہروں کے نیچے بہت سے دیگر حادثات کی طرح اسے بھی دبا دیا جائے گا، مگر میرے لیے اور ان تمام ان لوگوں کے لیے جن کے رشتہ دار، بزرگ اور دوست احباب اس سانحے کی نذر ہو گئے، یہ قیامت سے پہلے قیامت سے کم نہیں ہے۔ میرے محسن و مربی استاذ محترم اور عظیم بین الاقوامی دینی درسگاہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ناظم تعلیمات و استاذ الحدیث مولانا عطاء الرحمٰن صاحب بھی اس حادثے میں اپنی ہمشیرہ اور دیرینہ خادم و محب مولانا عرفان میمن سمیت شہید ہو گئے اور یوں ہم ایک بہت بڑی خیر سے محروم کر دیے گئے۔ ہمارے دکھ کا وہ لوگ شاید صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے جو نہیں جانتے کہ مولانا عطاء الرحمٰن ہمارے لیے کیا تھے اور ان کی شخصیت عقیدت و محبت کے کتنے پروانوں کے لیے شمع فروزاں کی حیثیت رکھتی تھی۔

مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو ویسے تو پہلے بھی کئی جانکاہ حادثات اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے لیکن حضرت مفتی نظام الدین شامزئی کی شہادت کے بعد سے یہ سب سے بڑا سانحہ ہے جس سے جامعہ کو دوچار ہونا پڑا۔ جمعے کی شام حادثے کی اطلاع ملنے پر شہر بھر سے علماء کرام، طلبہ اور عوام کی ایک بڑی تعداد جامعہ پہنچی، اس موقع پر ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر فرد دوسرے سے گلے لگ کر رو رہا تھا۔ صبر و ضبط کے بندھن برقرار رکھنا کسی کے لیے آسان نہ تھا، جامعہ کے بڑے اساتذہ و مشائخ دارالحدیث میں جمع تھے اور طلبہ و اصاغر کو تسلی دیتے ہوئے کبھی کبھار خود بھی حرف تسلی کے محتاج دکھائی دے رہے تھے۔ صرف ایک روز قبل اسی دارالحدیث میں مولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے ششماہی امتحان کے نتائج سنائے تھے اور اساتذہ سے خطاب فرمایا تھا۔ وہ منظر کسی کے ذہن سے ہٹ نہیں پا رہا تھا۔ عشاء کی نماز میں مولانا طاہر نے صبر والی آیات پڑھنے کی کوشش

کی لیکن ان کے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئے اور پوری جماعت پر رقت طاری ہوگئی۔ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کی شخصیت کو کھونے کا احساس کسی کو برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ جامعہ کے رئیس حضرت علامہ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کو یہ خبر دیر سے اور تدریجی انداز میں دی گئی کیونکہ سب کو اندازہ تھا کہ اپنے قابل فخر شاگرد، دست راست اور جامعہ کی متاع عزیز کے اس طرح اچانک کھو جانے پر ان کے دل پر جو پہلے کئی بار اس طرح کے حادثات سے چھلنی ہو چکا ہے، کیا گزر سکتی ہے۔

استاذ محترم مولانا عطاء الرحمٰن رحمہ اللہ جن کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ لکھتے ہوئے قلم کپکپا رہا ہے، کے تعارف کے لیے ویسے تو اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ عالم اسلام کی عظیم درس گاہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی نظامت تعلیمات کے مسند نشین تھے اور دنیا بھر سے آئے ہوئے 12 ہزار سے زائد طلبہ وطالبات کے تعلیمی امور کے نگران تھے تاہم ان کی شخصیت کے چند پہلو ایسے تھے جن میں ان کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی شرف سے نوازا تھا۔ ان کی ذہانت وفطانت دینی حلقوں میں ضرب المثل تھی، وہ ملک کے قابل ترین مدرسین میں شمار ہوتے تھے جنہیں بہت سے علوم وفنون میں مہارت کاملہ حاصل تھی۔

مولانا عطاء الرحمٰن مردان کے علاقے بابوزئی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سن پیدائش 1960ء بنتا ہے، انہوں نے اپنے علاقے میں میٹرک اور دارالعلوم شیر گڑھ میں کچھ ابتدائی کتابیں پڑھنے کے 1977 میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا اور 1983ء میں جامعہ سے سند فراغت حاصل کرلی اور پھر جامعہ ہی سے ہی تخصص کرنے کے بعد حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی عقابی نگاہِ انتخاب کو بھا گئے اور جامعہ ہی میں مدرس بنے۔ مولانا مفتی عبدالسمیع شہید کی معیت میں دارالاقامے (ہاسٹل) کی نگرانی اور دیگر انتظامی ذمہ داریوں پر بھی مامور کیے جاتے رہے، اپنے حسن انتظام، اخلاص اور مادر علمی کے ساتھ جذبہ وفاداری کی بدولت ترقی کرتے رہے۔ مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ کے دور میں ان کے بھی معتمد خاص اور معاون رہے۔ انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مولانا نے فنون کی مشکل کتابوں کی تدریس بھی جاری رکھی۔ انہوں نے جس محنت سے پڑھا تھا، اسی محنت سے پڑھانا بھی ان کا خاص وصف تھا۔ علاوہ ازیں تدریس کے ساتھ انہیں جہانگیر پارک کراچی صدر کی جامع مسجد صالح کی امامت وخطابت کی ذمہ داری بھی دی گئی جسے وہ آخر دم تک بحسن وخوبی نبھاتے رہے۔ 2002ء میں مولانا عبدالقیوم چترالیؒ کی علالت ومعذوری کے بعد مولانا عطاء الرحمٰن کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی نظامت تعلیمات کے منصب کے لیے منتخب کیا گیا جو ان کی انتظامی قابلیت، دیانت اور اخلاص وللّٰہیت پر جامعہ کے اعتماد کا بہترین مظہر تھا اور اپنے دس سالہ دور نظامت میں انہوں نے اس پر پورا اتر کر دکھایا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا عطاء الرحمٰن کی شہادت سے جامعہ بنوری ٹاؤن کو ایک ایسا نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی شاید آسانی سے نہیں ہو سکے گی۔ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی خدمات کا دائرہ صرف جامعہ بنوری ٹاؤن تک محدود

نہیں تھا۔انہوں نے صالح مسجد صدر سے اسکول وکالجز کے طلبہ کے لیے سالانہ چھٹیوں کے ''تعلیم وتربیت کورس'' کا آغاز کیا،اس کے لیے ایک نصاب بنایا اور ٹیم تشکیل دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک بھر میں اور بیرون پاکستان کئی ممالک میں اس کورس کا آغاز کروایا اور لاکھوں بچوں کو ابتدائی دینی تربیت فراہم کرنے کا انتظام کیا۔علاوہ ازیں مولانا ملک کے اندر اور بیرون ملک سینکڑوں دینی اداروں کے سرپرست اور نگران بھی تھے اور دنیا کے مختلف حصوں میں دینی وعلمی خدمات سرانجام دینے والے اپنے شاگردوں سے مسلسل رابطے میں رہنے کے علاوہ ان کی سرپرستی بھی فرمایا کرتے تھے۔اپنے ہزاروں شاگردوں کی طرح راقم پر بھی مولانا کی بہت شفقتیں تھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے زبردست شخصی وجاہت،ژرف نگاہی اور نکتہ سنجی سے نوازا تھا،اس لیے ہمیشہ ان کی شخصیت کا رعب ودبدبہ ہم جیسے نالائق طالب علموں پر طاری رہتا تھا۔ان سے نظر ملا کر بات کرنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی۔میری تحریروں پر ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے اور کبھی غیر محتاط جملے لکھنے پر گرفت اور اصلاح بھی فرماتے جو میرے لیے سرمایۂ حیات ہے۔

مولانا جس منصب پر تھے اور جو خدمات انہوں نے سرانجام دیں،اس کے پیش نظر ان کے نام کی بڑی شہرت ہونی چاہیے تھی لیکن یہ ان کے مزاج میں ہی نہیں تھا،وہ شہرت سے بہت دور بھاگتے تھے،مجھے خاص طور پر تاکید کی ہوئی تھی کہ جامعہ کے پروگراموں کے حوالے سے میرے نام کی تشہیر بالکل نہ کی جائے۔ایک آدھ دفعہ ان کا نام غلطی سے آیا تو ناراض ہوگئے۔وہ جامعہ کے ناظم تعلیمات ہونے کی حیثیت سے بہت سی مراعات کے مستحق تھے،لیکن ان کا حال یہ تھا کہ جامعہ کی کسی شاخ کا معاینہ کرنے جاتے تو کسی طالب علم کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر چلے جاتے۔نماز پڑھانے کے لیے بھی اکثر بسوں میں گرومندر سے صدر جاتے رہے۔تصنع،تکلف،بناوٹ اور شہرت ونمود سے ان کو طبعی کراہت رہتی تھی۔جامعہ کی تقریبات کی نظامت بھی اکثر مولانا ہی کرتے،سیدھے سادھے الفاظ میں مطلب کی بات کرنا ان کا کمال تھا۔حالانکہ ان کا ادبی ذوق بھی پورے جامعہ میں سب سے ممتاز تھا۔انہیں عربی،فارسی،اردو اور پشتو کے ہزاروں اشعار ازبر تھے اور ان کا ایسا برمحل استعمال کرتے جیسے وہ اشعار اسی محل کے لیے وارد ہوئے ہوں۔ہمیں ان سے درجہ موقوف علیہ میں تفسیر بیضاوی کا کچھ حصہ پڑھنے کا اعزاز حاصل رہا،ایک جانب علامہ بیضاوی کی علمی وادبی موشگافیاں اور دوسری جانب مولانا عطاء الرحمٰن کا ذوق لطیف سونے پر سہاگہ اور عربی جاننے والوں کے لیے ''علی التمرۃ مثلھا زبداً'' کا مصداق بن جاتا جس کا ذائقہ آج بھی ہماری زبانوں پر ہے۔آج استاذ جی ہم میں نہیں رہے تو مجھے وہ اشعار یاد آرہے ہیں جو وہ جامعہ کے اکابر کی شہادتوں کے موقع پر پڑھا کرتے تھے۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے اشک ہیں آستیں نہیں ہے — زمین کی رونق چلی گئی ہے،افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے — مگر تیری مرگ ناگہاں کا،مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

☆.....☆.....☆